از مولانا محمد انیس الرحمٰن قاسمی

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ اور ردِ مسیحیت

چھٹی صدی میں حضرت مسیح کی شریعت بہت نازک مرحلے میں تھی۔ اس کے اندر اتنی قوت نہ تھی کہ وہ زندگی کی زمام سنبھال کر انسانیت کی راہ نمائی کر سکے۔ اس کے اصول و قواعد اور فروع و مسائل پر اوہام و رسومات کے گرد و غبار پڑے ہوئے تھے۔ ۶۱۰ء میں جب فاران کی چوٹیوں سے اسلام کا آفتاب بلند ہوا تو اس کی کرنوں نے تہہ در تہہ تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے حضرت مسیح کی تعلیمات کو اجاگر کیا۔ اور نبیِ عربی کی نازل شدہ لاہوتی کتاب نے توریت و انجیل کو محرف بتا کر تثلیث کی تردید کی۔ اور حضرت مسیح کی مقدس زندگی پر پڑے ہوئے صلیب و کفارہ کی آلائشوں کو دور کیا۔ توحید کی دعوت دی اور اقانیم کی تردید کی اور رہبانیت کی جگہ ربانیت کو پیش کیا۔

نبیِ آخر الزماں کے بعد ان کے مقدس شاگردوں نے اسلام کے نورِ جہاں تاب سے کلیساؤں کو روشن کیا اور تثلیث کے معبدوں کو توحید کی مسجدوں میں بدلا۔ صحابہ کرامؓ کے بعد ان کے جانشینوں نے اس کی کوشش کی۔ چنانچہ اسلام آگے بڑھتا رہا اور عیسائیت پیچھے ہٹتی رہی۔ مگر اس کے بعد دوسری صدی ہجری سے دونوں میں بڑی زبردست کش مکش شروع ہوئی اور بعض مرتبہ اس میں اتنی شدت پیدا ہوئی کہ توحید کو آگ اور خون کے سمندروں سے گزرنا پڑا۔ یہ سلسلہ اٹھارھویں صدی تک چلتا رہا۔ یہاں تک کہ انیسویں صدی نے ہندوستان میں ایک قیامت خیز قدم رکھا اور توحید تثلیث کے گرداب میں آگئی۔

وہ وقت بڑا نازک، صبر آزما اور حوصلہ شکن تھا۔ جب انگریز نے اپنی مادی فتح مندیوں کے ساتھ مسلمانوں کے روحانی قلعوں پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا اور سیاسی استقرار و استحکام کے لئے ایک مستقل اور ہمہ گیر تحریک ہندوستان کے مختلف شہروں دہلی۔ آگرہ۔ پٹنہ۔ رانچی۔ گلبرگہ۔ شولاپور اور حیدر آباد وغیرہ میں شروع کر رکھی تھی جس کے ساتھ عیسائی مبلغوں اور ان کی تقریروں اور کتابوں کا ایک سیلاب تھا جو وحدانیت کو بہالے جانا چاہتا تھا۔

ایک عرصہ تک تو عام مسلمان، عیسائیوں کے وعظ سننے اور ان کی کتابوں اور رسالوں کے پڑھنے سے

احتراز کرتے رہے لیکن رفتہ رفتہ ان کی آزاد تقریروں اور تنقیدوں نے بعض ناواقف مسلمانوں کو اپنے دامِ تزویر میں لے لیا۔ ابتدا میں تو علمائے کرام نے اس طرف کوئی توجہ نہ دی۔ مگر جب پادریوں نے عام شاہراہوں اور سڑکوں سے گزر کر جامع مسجد کی سیڑھیوں پر شعلے اگلنے شروع کئے تو علمائے کرام کی ایک جماعت فتنہ کی سنگینی کو محسوس کر کے مقاومت کے لئے کھڑی ہوئی۔ اور قلمی و لسانی۔ تحریری اور تقریری طریقہ پر ان کی تردید کی۔ ان ربانی علماء کی اس جماعت میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی (۱۳۰۸ھ) ڈاکٹر وزیر خاں مرحوم۔ مولانا سید ذوالحسن (۱۸۴۶ء) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ۱۲۹۶ھ۔ مولانا اشرف الحق صدیقی ۱۳۵۴ھ۔ اور حضرت مولانا محمد علی مونگیری (۱۳۰۶ھ) خاص طور پر پیش پیش تھے[1]

ان حضرات نے مالی بے کسی اور بے سروسامانی کے باوجود ہندوستان کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی مشنری کا مقابلہ کیا اور ۷۰ کے قریب ان کی ردیں کتابیں لکھیں۔ بلکہ بعض علماء نے تو اپنی زندگی کا مقصد ہی اسی کو بنا کر اپنے ذہن و دماغ اور قلب و روح کی تمام قوتیں اس میں صرف کر دیں۔ چنانچہ مولانا باقر علی نے خاص طور پر اس کے لئے ایک ہفتہ وار اخبار جاری کیا جس کی وجہ سے ان کو دار پر بھی چڑھنا پڑا اور اس طرح رگِ حیات کا آخری قطرہ بھی انہوں نے گلشنِ توحید کی آبیاری کے لئے پیش کر دیا۔

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب بھی ابتدا میں دوسرے علماء کی طرح خاموش تھے یہاں تک کہ آپ کے استاد شاہ عبدالغنی صاحب نے پادری فنڈر کی کتاب "میزان الحق" کی تردید کا اشارہ کیا جس پر آپ نے سات سو صفحات پر مشتمل "ازالۃ الاوہام" کے نام سے ایک کتاب مکمل کی۔ اس تالیف کے بعد جب ۱۸۶۴ء میں آگرہ طباعت کے لئے گئے تو وہاں میزان الحق کے مؤلف پادری فنڈر کی موجودگی کی اطلاع ملی۔ جس نے اپنی کتاب اور تقریروں کے ذریعہ عوام کے اندر ایک دہشت پیدا کر دی تھی۔ اس لئے آپ نے محسوس کیا کہ اس کا مؤثر مقابلہ اس وقت تک نہ ہو سکے گا جب تک کہ پادری فنڈر کے ساتھ مجمع عام میں ایک فیصلہ کن مناظرہ کر کے عیسائیت کی کمر نہ توڑ دی جائے تاکہ عوام کے قلوب سے ان کا خوف و رعب دور ہو جائے۔ اور وہ پہچان لیں کہ دلیل و حجت کے میدان میں اس کے اندر کتنی سکت ہے۔

اس ارادہ کے ساتھ فنڈر سے ملاقات کر کے مناظرہ کی تجویز رکھی اور ۱۸۵۴ء میں آگرہ کے اندر دو مشہور مناظرے کئے جس نے ان کی دہشت گردی کو ختم کر دیا۔ یہ مناظرہ جو عام مجمع میں ہوا بہت اہمیت کا حامل تھا اس لئے اس فتح ہوتے ہی علمی دنیا میں عیسائی مبلغوں کی شکست ہو گئی۔

---

[1] فرنگیوں کا جال

مناظرہ کے بعد تین سال تک مسلسل عیسائیت کے خلاف آپ کا قلم چلتا رہا جس میں پادریوں کی مختلف کتابوں کے رد میں سات کتابیں: ۱۔ اعجاز عیسوی ۲۔ بروق لامعہ ۳۔ معدل اعوجاج المیزان ۴۔ تقلیب المطاعن ۵۔ ازالۃ الشکوک ۶۔ احسن الاحادیث فی ابطال التثلیث اور ۷۔ البحث الشریف فی اثبات النسخ والتحریف کے ناموں سے اردو اور فارسی میں لکھیں۔ یہ جہاد جاری تھا کہ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ رستخیز برپا ہو گیا۔ اور آپ قلمی و لسانی فتح کے بعد سیفی و سنانی جہاد میں شامل ہو گئے۔[1]

جب ہنگامہ فرو ہوا تو حکومت کی طرف سے دار و گیر کا ایک سلسلہ شروع ہوا جس میں بہت سے ابطال اسلام کو تختہ دار پر چڑھنا پڑا۔ بعض کو کالے پانی کی تکلیف دہ اذیتوں میں مبتلا کیا گیا۔ اور کچھ لوگ اپنی عزت و آبرو اور جان کی حفاظت کی خاطر حجاز مقدس چلے گئے۔ حضرت مولانا کا بھی وارنٹ گرفتاری جاری ہوا مگر آپ چھپ چھپا کر حجاز مقدس چلے گئے اور گرفت میں نہ آسکے۔

یہ سلطان عبدالعزیز خاں سلطان ترکی کی خلافت کا زمانہ تھا۔ اور حکومت نے مسجد حرام میں دینی علوم کی اشاعت کی خاطر حدیث و فقہ اور تفسیر و علم کلام کے مشائخ کو تدریس کی ذمہ داری سپرد کر دی گئی تھی۔ اس وقت شیخ حرم سید احمد دحلان تھے۔ ان سے جب شناسائی ہوئی تو وہ آپ کے نقطہ جامعیت، وسیع النظری اور علمیت سے کافی متاثر ہوئے اور مسجد حرام کے شیوخ میں آپ کا نام درج کر لیا۔ اور آپ درس دینے لگے۔

یہ تدریسی مشغلہ جاری تھا کہ پادری فنڈر جس کو آپ نے آگرہ کے مناظرہ میں شکست فاش دی تھی، وہ ۱۸۵۷ء کے بعد جرمنی، سوئٹزرلینڈ اور انگلینڈ ہوتے ہوئے لندن کی چرچ مشنری سوسائٹی کے حکم سے قسطنطنیہ پہنچا اور سلطان عبدالعزیز خاں سے مل کر یہ عرض کیا کہ ہندوستان میں میرا ایک مسلمان عالم سے مناظرہ ہوا تھا جس میں عیسائیت کو فتح اور اسلام کو شکست ہوئی۔ سلطان کو دینی امور سے بے حد شغف تھا اس لئے وہ یہ سن کر بہت فکر مند ہوئے۔ اور مکہ کے گورنر شریف عبداللہ بن عون کے نام ایک فرمان جاری کیا کہ حج کے زمانہ میں جو ہندوستان کے باخبر حضرات آئیں ان سے پادری فنڈر کے مناظرے اور انقلاب ۱۸۵۷ء کے خاص حالات معلوم کر کے باب خلافت کو مطلع کیا جائے۔ جب یہ فرمان پہنچا تو مولانا مکہ ہی میں تھے۔ اور آپ کے کارناموں سے امیر آگاہ تھا۔ امیر نے اس کی اطلاع سلطان کو دی اور اس کے بعد سلطان کی طلب پر ۱۲۹۴ھ میں آپ خاص عز و اکرام کے ساتھ شاہی مہمان کی حیثیت سے استنبول پہنچے۔ سلطان نے بڑی خوشی اور آپ کے [illegible] پوچھا اور مناظرے کی روداد سن کر مسرت کا اظہار کیا۔ لیکن جب فنڈر کو اطلاع ملی تو وہ انگلستان چلا گیا اور دوبارہ

---

[1] آثار رحمت

اس ملاقات میں آپ نے سلطان کو چند قیمتی مشورے دئے جس پر انہوں نے ایک فرمان کے ذریعہ تمام ترکی کے مبلغوں کو قید کرنے کا حکم دیا۔ جو مرکز خلافت میں عیسائیت کو فروغ دینے کے لئے اسلام پر اعتراض کیا کرتے تھے۔ وہیں سلطان اور وزیر اعظم کی خواہش پر آپ نے عربی زبان میں "اظہار الحق" کے نام سے وہ شعلہ بداماں کتاب لکھی۔ جس نے عیسائی دنیا کے در و دیوار کو لرزہ بر اندام کر دیا۔

یوں تو عالم اسلام میں حضرت مولانا سے پہلے ردِّ عیسائیت میں بہت سی وقیع اور علمی کتابیں لکھی گئی تھیں اور متقدمین و متاخرین میں سے بعض جلیل القدر شخصیتوں نے اس پر قلم اٹھایا تھا اور مفکرین اسلام میں سب سے پہلے جاحظ (۲۵۵ھ) نے ایک مستقل کتاب الرد علی النصاریٰ کے نام سے لکھی تھی۔ پھر ان کے بعد احمد بن ادریس القرافی (۶۸۴ھ) کی الاجوبۃ الفاخرۃ عبداللہ الرحمان (۸۶۳ھ) کی تحفۃ الاریب فی الرد علی اہل الصلیب امام غزالی (۵۰۵ھ) کی الرد الجمیل امام ابو البقاء کی تجمیل من حرف التوراۃ والانجیل، امام قرطبی (۶۱۱ھ) کی الاعلام بما فی دین النصاریٰ من الفساد، ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) کی الجواب الصحیح اور ابن قیم کی ہدایۃ الحیاری وغیرہ کا پتہ چلتا ہے۔ اس کے علاوہ مفسرین اور متکلمین نے اپنی کتابوں میں کافی تفصیلی بحث کی ہے۔

مگر ان تمام اعلام اسلام کی کاوشوں کے باوجود انیسویں صدی میں جو سیلاب آیا تھا۔ اس کے مقابلہ کی ان کتابوں میں سکت نہ تھی۔ اس لئے کہ یہ تمام اندوختہ رومن کیتھولک فرقہ کے مقابلہ میں تھا۔ لیکن سولھویں صدی میں جو پروٹسٹنٹ طبقہ پیدا ہوا اور جو ایک نیا نظام ترتیب دے کر رومن کیتھولک کے خلاف آواز بلند کر کے رفتہ رفتہ تمام دنیا میں پھیل گیا تھا اس کے لئے ضرورت تھی کہ کوئی نیا ابن تیمیہ اور دوسرا غزالی وجود میں آئے جو تحصیل و تجزیہ اور تحقیق و تدقیق میں متقدمین کی سی ذہانت رکھتا ہو اور جو قدیم و جدید سے آگاہ ہو۔ اور عیسائیوں کے تمام طبقوں اور فرقوں اور ان کے اختلافات و تنازعات اور عیسائیت کی ترقی و ارتقا سے باخبر ہو جسے زبان و بیان اور تحریر و تقریر پر پوری قدرت ہو۔ اللہ نے اس ضرورت کو حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے ذریعہ مکمل کیا۔

حضرت مولانا کے زمانہ سے پہلے یورپ میں دو ایسے طبقے پیدا ہو گئے تھے جس نے کھل کر تنقید کی تھی۔ پہلا فرقہ تو پروٹسٹنٹ کا تھا جس نے رومن کیتھولک کی ایجاد کردہ بدعتوں اور کلیسا کی بڑھتی ہوئی بدعنوانیوں کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔ اس فرقہ کا پیشوا لوتھر تھا جس نے سترھویں صدی میں پہلی مرتبہ بائبل کی تشریح و تعبیر کا اختیار اپنے ہاتھ میں لے کر پادریوں کے ساتھ بائبل پر نکتہ چینی شروع کر دی۔ اور پھر اس کے بعد تنقید کا بند دروازہ کھلا تو کھلتا ہی چلا گیا۔ اور مفکرین کی ایک جماعت نے عقلیت کا نعرہ لگا کر عیسائیت کی تار و پود بکھیر دی مگر جب یہ عقلیت کا نشہ چڑھا تو چڑھتا ہی چلا گیا حتیٰ کہ کوئی عقیدہ اس کی دست برد سے محفوظ نہ رہا یہاں تک کہ وولٹائر (۱۷۸۸ء) جیسے ملحد بھی پیدا ہوئے جنہوں نے سرے سے خدا کے وجود ہی میں شک پیدا کر دیا

جس کے بعد کھلم کھلا خدا کا انکار کیا جانے لگا۔ لیکن ان ملحدین سے جہاں نفسِ مذہب کے تقدس کو نقصان پہنچا وہاں یہ فائدہ ہوا کہ ان نظریات کی غلطی واضح ہو گئی۔ جن پر عرصہ دراز سے کلیسیا تقدس کا لبادہ ڈالے ہوئے تھا۔

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی اس عقلیت زدہ طبقہ کی کتابوں تک ڈاکٹر وزیر خاں کی مدد سے رسائی حاصل کر چکے تھے۔ اس لئے پروٹسٹنٹ طبقہ جس سے آپ برسرِ پیکار تھے اس کے مقابلہ کے لئے کافی مواد جدید تحقیقات سے حاصل ہو گیا تھا۔ مولانا نے "اظہار الحق" میں ان ملحدین کے اقوال سے استناد کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"یورپی ممالک میں ایسے لوگ بکثرت موجود ہیں جن کو علماء پروٹسٹنٹ، ملحد اور بے دین کہتے ہیں جو نبوت اور الہام کے منکر اور مذاہب کا مذاق اڑاتے ہیں۔ مذہب عیسوی کے پیغمبروں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ مذہب عیسوی کے پیغمبروں کی بے ادبی کرتے ہیں۔ بالخصوص حضرت مسیح علیہ السلام کی۔ ان ممالک میں ان کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ ان کی کتابیں دنیا کے اطراف میں پھیل چکی ہیں۔ کچھ تھوڑے بہت ان کے اقوال بھی نقل کئے جائیں گے۔ اس نقل سے کوئی صاحب یہ خیال نہ فرمائیں کہ ہم ان کے اقوال کو اچھا سمجھتے ہیں۔" حاشا و کلا

اس طرح حضرت مولانا کو مسیحیت کے اصلی و نقلی خدوخال پہچاننے میں تین طبقہ نے مدد دی۔ پہلا طبقہ پروٹسٹنٹ کا دوسرے ملحدین و عقلیت پسندوں نے اور تیسرے علماء اسلام نے۔ وہ اپنی کتابوں میں ان تینوں طبقوں سے رجوع کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کو مسیحی علم کلام پر عبور حاصل ہو گیا تھا۔ ورنہ مسیحی کلام اسلامی علم کلام سے کہیں زیادہ پیچیدہ اور الجھا ہوا ہے۔ اور اس پر اب تک سینکڑوں یورپین دماغوں نے دردسری کی ہے۔ مگر بجائے اس دلدل کے نکلنے کے تثلیث و کفارہ اور عشاء ربانی کی عمیق بحثوں میں الجھتے ہی گئے ہیں۔ یہاں تک کہ انکارِ خدا تک جا پہنچے اور اس سے نکلنے کی کوئی صورت بھی نہ تھی۔ ہاں اگر وہ یورپ کے محن زادوں کے بجائے عرب کے ریگستانوں کی طرف قدم بڑھاتے تو فاران کی چوٹیوں سے چمکنے والا آفتاب ضرور ان کی راہنمائی کرتا۔

حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب نے اظہار الحق کے ذریعے اسی ریگستان عرب کی طرف راہ نمائی کی ہے یہ کتاب ان کی آخری عمر کی ہے۔ اس میں ان کی عمیق فکر اور مجتہدانہ نظر کی جولانیوں کا ظہور ہے اور وہ دونوں قدیم و جدید سمندروں کے شناور نظر آتے ہیں اس کے لئے انہوں نے عربی۔ فارسی۔ اردو اور انگریزی کی تمام گراں قدر ذخیروں سے استفادہ کیا ہے خصوصاً مندرجہ ذیل انگریزی کتابوں سے مدد لی ہے۔

۱۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ۔ ۲۔ انسائیکلو پیڈیا ریس ۔ ۳۔ تفسیر ہلوان ۔ ۴۔ تفسیر ہنری و اسکاٹ ۵۔ تفسیر آدم کلارک ۔ ۶۔ لارڈنر کی تفسیر ۔ ۷۔ ہارسلے کی تفسیر ۔ ۸۔ وائش کی کتاب اسالۃ الاوہام ۔

یہ ان مسیحی مفکرین کی کتابیں ہیں جنہوں نے تمام قدیم و جدید اقوال و آرا کا احاطہ کیا ہے اور اس میں ان

عقلیت پسند طبقہ کی تنقیدات بھی ہیں۔ جنہوں نے عہدِ عتیق وجدید کی تمام کتابوں میں تناقض ثابت کیا ہے فرقہ پروٹسٹنٹ کے علاوہ رومن کیتھولک کی کتابوں مثلاً عہدِ عتیق وجدید کا انگریزی ترجمہ لتامس انگلس کی کتاب "مراۃ المصدق" وغیرہ سے بھی استفادہ کیا ہے۔

اس طرح حضرت مولانا نے ان تمام کتابوں کے مطالعہ کے بعد جب ردِّ عیسائیت پر آخری بار قلم اٹھایا تو وہ شاہکار تصنیف وجود میں آئی جس نے مسیحی دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔ یہ کتاب اس قدر مبسوط، مدلل، جامع اور مستحکم ہے کہ شاید کسی زبان میں اب تک ایسی کتاب نہیں نکلی ہے۔ اصل کتاب عربی میں ہے اور اب تک اس کے پانچ زبانوں ترکی۔ انگریزی۔ فرانسیسی۔ گجراتی اور اردو میں ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔ پہلی دفعہ جب اس کا انگریزی ترجمہ لندن پہنچا۔ تو لندن ٹائمز نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

"اگر لوگ اس کتاب کو پڑھتے رہیں گے تو دنیا میں مذہب عیسوی کی ترقی بند ہو جائے گی"[1]

علماء اسلام کے متقدمین میں سے حافظ۔ ابن حزم۔ علامہ عبدالکریم شہرستانی۔ ابن قیم۔ ابن تیمیہ۔ امام رازی غزالی اور قرطبی وغیرہ نے جو کچھ لکھا ہے ان کا مطالعہ کرنے کے بعد اگر مولانا کی تصنیف کا مطالعہ کیا جائے تو یہی کہنا پڑے گا کہ

کم ترک الاول للآخر

۱۲۸۱ھ کے بعد اب تک علمائے اسلام کی طرف سے عموماً جتنی کتابیں ردِ مسیحیت میں لکھی گئیں۔ تمام مؤلفین نے "اظہار الحق" کو اپنا ماخذ بنایا ہے۔ عربی مؤلفین میں سے شیخ جزیری اور شیخ باجہ جی زادہ نے اپنی کتابوں میں اس سے کافی مدد لی ہے۔ اور ہندوستانی علماء میں سے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بیان القرآن میں۔ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے قصص القرآن میں اور حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ نے پیغام محمدی میں آپ کی کتابوں کی بے حد تعریف و توصیف کی ہے۔

مگر حضرت مولانا "اظہار الحق" کی تصنیف کے بعد جب بصارت سے محروم ہو گئے اور ارادہ رکھتے تھے کہ کوئی اور دوسری جامع کتاب ردِ عیسائیت میں لکھیں۔ اس لئے کہ اس میں صرف پانچ ہی مسائل تحریف۔ نسخ۔ تثلیث۔ رسالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حقانیت قرآن پر عموماً بحث کی ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی چند مسائل تھے جن پر بحث اس دور کے مزاج و دماغ کے موافق ضرور تھی۔ لیکن حضرت مولانا کی یہ آخری آرزو پوری نہ ہو سکی۔ اور وہ بیت اللہ کے جوار میں رب البیت سے جا ملے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ"

---

[1] ایک مجاہد معمار صد ۲۶